مجلس خدام الاحمدیہ کے سالانہ اجتماع ۱۹۵۰ء کے آخری اجلاس میں بعض اہم ہدایات

از

سیدنا حضرت میرزا بشیرالدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

مجلس خدام الاحمدیہ کے سالانہ اجتماع ۱۹۵۰ء کے آخری اجلاس میں بعض اہم ہدایات

(فرمودہ ۲۳/ اکتوبر ۱۹۵۰ء بر موقع اختتامی اجلاس سالانہ اجتماع خدام الاحمدیہ بمقام ربوہ)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا۔

''چونکہ اب مَیں محسوس کر رہا ہوں کہ مجھے ضُعف زیادہ ہے اِس لئے میں انہی تقریروں پر بَس کروں گا جو مَیں کل سے کرتا چلا آ رہا ہوں البتہ انعامات کی تقسیم کے متعلق میں ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔ چاہیئے تھا کہ نوجوانوں کی ایسے رنگ میں تربیت کی جاتی کہ انہیں معلوم ہوتا کہ اس موقع پر انہیں کس طرح کام کرنا چاہیئے۔ جب کسی نوجوان کو انعام دیا جاتا ہے تو اس کی غرض یہ ہوتی ہے کہ دوسرے نوجوانوں کے دلوں میں بھی تحریک پیدا ہو کہ وہ بھی ویسے ہی کام کریں اور دوسروں کے دلوں میں تحریک کا ثبوت اس طرح مل سکتا ہے کہ وہ اس میں دلچسپی لیں۔ یوں تو انعام دینے والا، دوسرے کے لئے دل میں بھی دعا کر سکتا ہے مگر میں نے جو طریق جاری کیا تھا کہ دوسرے بَارَکَ اللّٰہُ لَکَ فِیۡہِ کہیں تو اِس کی غرض یہ تھی کہ دوسروں کے دل میں ایسے کاموں کی رغبت پیدا ہو۔ مگر انعامات کی تقسیم کے وقت باقی سب لوگ خاموش رہے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ میری یہ ہدایت اُنہیں فراموش ہو چکی ہے۔ اُن کا فرض تھا کہ کسی کو انعام ملتا تو وہ بلند آواز سے بَارَکَ اللّٰہُ لَکَ فِیۡہِ کہتے۔

دوسری عجیب بات مَیں نے یہ دیکھی ہے کہ انعام لینے والوں کو بھی یہ معلوم نہیں کہ

انہیں کیا کہنا چاہئے ان میں سے بھی بعض نے بَارَکَ اللّٰہُ لَکَ فِیْہِ کہہ دیا حالانکہ انعام دینے والا کہتا ہے بَارَکَ اللّٰہُ لَکَ فِیْہِ خدا تجھے برکت دے اور اس انعام کو تیرے لئے فائدہ مند بنائے اور یہ انعام تیری آئندہ ترقیات کا پیش خیمہ ہو۔ اور انعام لینے والا کہتا ہے جَزَاکُمُ اللّٰہُ کیونکہ انعام دینے والے نے اس کو انعام بھی دیا اور دعا بھی دی۔ پس یہ اُس کے شکریہ میں دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے اِس نیکی کی جزاء عطا فرمائے۔ اس کی ایسی ہی مثال ہے جیسے شریعت نے یہ سکھایا ہے کہ جب کوئی شخص کھانا کھائے تو فارغ ہونے پر کہے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔ اب یہ عقل کے بالکل خلاف بات ہوگی اگر کھانا کھلانے والا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہے اور کھانے والا خاموش رہے۔ پس انعام دینے والے کے لئے مناسب فقرہ یہ ہے کہ بَارَکَ اللّٰہُ لَکَ فِیْہِ اور انعام لینے والے کے لئے مناسب فقرہ یہ ہے کہ جَزَاکُمُ اللّٰہ یعنی جنہوں نے انعام دیا ہے اللہ تعالیٰ ان کی اِس نیکی کو قبول کرے اور اُنہیں اِس کا نیک بدلہ دے۔ پس آئندہ کے لئے یاد رکھو کہ جب انعام دینے والا بَارَکَ اللّٰہُ لَکَ فِیْہِ کہے تو دوسرے بھی یہی فقرہ زور سے کہیں تا انعام لینے والے کو محسوس ہو کہ سب نے اس کے کام کو پسند کیا ہے اور وہ بھی اس کی خوشی میں شریک ہیں اور لینے والا جَزَاکُمُ اللّٰہُ کہے تا اس کے دل میں شکر گزاری کا مادہ پیدا ہو۔

اب مَیں آپ لوگوں کو چند فقرات کہنے کے بعد دعا کے ساتھ رخصت کرتا ہوں۔ سب سے پہلی بات تو میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آپ لوگوں نے یہاں سے جو کچھ سیکھا ہے اسے یاد رکھئے اور دوسروں تک پہنچایئے۔ جو جو نمائندے یہاں آئے ہیں ان کو چاہئے کہ وہ واپس جا کر اپنی اپنی مجالس کا اجلاس کریں اور ان کے سامنے وہ ساری کیفیت بیان کریں جو انہوں نے دیکھی ہے اور ان باتوں کا خلاصہ بیان کریں جو میں نے کہی ہیں اور ان فیصلوں کا ذکر کریں جو آپ لوگوں کے مشورہ کے بعد میں نے کئے ہیں اور انہیں یہ تحریک کریں کہ وہ ان تمام باتوں کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کریں۔ اِسی طرح جو عہد مَیں نے کل لیا تھا یا آج لیا ہے وہ عہد تمام خدام سے میٹنگ کر کے لیں اور انہیں سکھائیں کہ جب عہد لیا جائے تو اِیْ زور سے کہیں اور وَاللّٰہِ نسبتاً آہستہ آواز میں کہا جائے۔

بہر حال اِیْ وَاللّٰہِ کہنے کی اس طرح مشق کرائیں کہ اُس کی آواز سے میدان گونج اُٹھے ابھی اِیْ اپنی ذات میں جتنی بلند ہو جاتی ہے اتنی ہی ہوتی ہے اُس کے پیچھے مشق نہیں ہوتی۔ میں نے بتایا ہے کہ اِیْ کا لفظ خود بخود اپنی ذات میں طاقت رکھتا ہے اور مشق سے یہ طاقت دوگنی تگنی بڑھائی جاسکتی ہے۔ صحیح طریق یہ ہے کہ جب یہ الفاظ کوئی شخص کہنا چاہئے تو پہلے اپنے سانس کو کھینچ لے۔ نکلے ہوئے سانس پر جب کوئی بلند آواز سے اِیْ وَاللّٰہِ کہنا چاہے تو وہ نہیں کہہ سکتا۔ لیکن جب سانس اندر کھینچا ہو تو ایک تو اس کے اعصاب آواز کو بلند کرتے ہیں دوسرے جو منہ سے ہوا نکلتی ہے وہ اُسے اَور اونچا کر دیتی ہے۔ میرا گلا بیٹھا ہوا ہے مگر مَیں نے تجربہ کے بعد اِس راز کو معلوم کر لیا ہے اور تقریر کے وقت اپنے سانس کو کچھ دیر کے لئے روک لیتا ہوں جس سے آواز بلند ہو جاتی ہے۔ یوں میں کہیں سے گزر رہا ہوں اور مجھے کوئی اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہے تو بعض دفعہ پاس کا آدمی بھی وَعَلَیْکُمُ السَّلَامُ کی آواز نہیں سن سکتا۔ گلے میں ہی آواز رہ جاتی ہے آجکل کئی عزیز اور بچے میرے پاس آتے ہیں اور اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہتے ہیں تو تھوڑی دیر کے بعد وہ دریافت کرتے ہیں کہ آپ خفا تو نہیں ہم نے اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہا تھا مگر آپ نے جواب نہیں دیا؟ میں کہا کرتا ہوں کہ ہم نے تو وَعَلَیْکُمُ السَّلَامُ کہا تھا مگر تم نے سنا نہیں۔ اس گُر کے ماتحت میں نے اس وقت تقریر کر لی ہے۔ بیشک بیمار گلے کی صورت میں یہ چیز بعد میں گلے کے لئے مُضِر ثابت ہو جاتی ہے کیونکہ جو ماؤف گلا ہوا سے اس طرح تکلیف پہنچتی ہے لیکن ضرورت کے وقت گزارہ ہو جاتا ہے۔ پس اِیْ کہنے سے پہلے اپنے سانس کو تھوڑی دیر کے لئے روک لیا کرو۔ جب ایسا کرو گے تو اِیْ کہنے کیساتھ صرف اِیْ کی آواز ہی نہیں نکلے گی بلکہ ساتھ ہوا بھی نکلے گی اور وہ اُس آواز کو اَور بھی بلند کر دیگی۔ پس آئندہ کے لئے اس طرح مشق کرو کہ اِیْ کہنے والے خواہ چند افراد ہی ہوں ان کی آواز فضا میں ایک گونج پیدا کر دے۔ اس کے علاوہ تین چھوٹی اَور بھی باتیں ہیں۔ خدام الاحمدیہ کی تنظیم جب جاری کی گئی تھی تو مَیں نے تیرنے اور سواری کی مشق کی طرف خاص طور پر توجہ دلائی تھی۔ کل ہی شیخوپورہ کے دوستوں نے ایک واقعہ سنایا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر خدام

میری ہدایت پر عمل کرتے تو وہ حادثہ نہ ہوتا۔ وہ واقعہ یہ ہے کہ جب سیلاب آیا تو شیخو پورہ کا ایک احمدی لڑکا اَور لڑکوں کے ساتھ مل کر سیلاب زدگان کو بچانے کیلئے گیا۔ پھٹوں کی کشتی پر وہ سوار تھے راستہ میں کشتی اُلٹ گئی۔ باقی تو بچ گئے لیکن وہ چونکہ تیرنا نہیں جانتا تھا اس لئے ڈوب گیا۔ میں نے خدام کو توجہ دلائی کہ سب سے اہم چیز تیرنا ہے۔ زمین پر جو مصیبتیں آتی ہیں ان سے انسان اپنی کوشش سے بچ نکلتا ہے لیکن پانی میں جو مصیبتیں آتی ہیں ان سے بغیر تیرنے کے رہائی نہیں مل سکتی اسی لئے میں نے نوجوانوں کو اس طرف توجہ دلائی تھی مگر معلوم ہوتا ہے خدام نے اس فن کی طرف جو نہایت شریف فن ہے توجہ نہیں کی۔ یہ ظاہر ہے کہ تم تیراکی کا فن خشکی پر نہیں سیکھ سکتے۔ اس لئے بہر حال تمہیں پانی میں داخل ہونا پڑے گا۔ کوئی افیونی یہ سمجھ لے کہ وہ خشکی پر بھی تیر سکتا ہے تو اَور بات ہے۔ ورنہ کوئی عقل مند ایسا خیال نہیں کر سکتا۔

کہتے ہیں کوئی افیونی چاند کی چاندنی میں رات کے وقت زمین پر پیٹ کے بل چل رہا تھا۔ کسی نے اُس سے پوچھا کہ کیا کر رہے ہو؟ اُس نے کہا میں دریا میں تَیر رہا ہوں حالانکہ وہاں کوئی دریا نہیں تھا بلکہ خشکی تھی اور چاند کی روشنی اُس پر پھیلی ہوئی تھی۔ تو افیونی تو خشکی پر تیر سکتا ہے لیکن عقل مند نہیں تَیر سکتا۔ عقل مند اگر تَیرنا سیکھنا چاہے تو اُس کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ نہر یا دریا پر جائے اور تَیرنا سیکھے۔ عرب لوگ پانی سے بہت ڈرتے تھے اور تیراکی کا فن سیکھنے کی طرف اُن کی توجہ نہیں تھی اِس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام پر جو سب سے بڑی آفت آئی وہ تیرنا نہ جاننے کی وجہ سے ہی آئی۔ سب سے بڑی اور ہولناک شکست جو اسلام کو پیش آئی وہ جنگ جسر تھی۔ ایرانیوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کا زبردست لشکر گیا۔ ایرانی سپہ سالار نے دریا پار اپنے مورچے بنائے اور ان کا انتظار کیا۔ اسلامی لشکر نے جوش میں بڑھ کر ان پر حملہ کیا اور دھکیلتے ہوئے آگے نکل گئے مگر یہ ایرانی کمانڈر کی چال تھی۔ اس نے ایک فوج بازو سے بھیج کر پُل پر قبضہ کر لیا اور تازہ حملہ مسلمانوں پر کر دیا۔ مسلمان مصلحتاً پیچھے لوٹے مگر دیکھا کہ پُل پر دشمن کا قبضہ ہے گھبرا کر دوسری طرف ہوئے تو دشمن نے شدید حملہ کر دیا اور مسلمانوں کی بڑی تعداد دریا میں کودنے پر مجبور ہوگئی

اور ہلاک بھی ہوگئی۔ مسلمانوں کا یہ نقصان ایسا خطرناک تھا کہ مدینہ تک اِس سے ہل گیا۔[1] حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مدینہ والوں کو جمع کیا اور فرمایا اب مدینہ اور ایران کے درمیان کوئی روک باقی نہیں۔ مدینہ بالکل ننگا ہے اور ممکن ہے کہ دشمن چند دنوں تک یہاں پہنچ جائے اِس لئے میں خود کمانڈر بن کر جانا چاہتا ہوں۔ باقی لوگوں نے تو اِس تجویز کو پسند کیا مگر حضرت علیؓ نے کہا کہ اگر خدانخواستہ آپ کام آگئے تو مسلمان تتّر بتّر ہو جائیں گے اور ان کا شیرازہ بالکل منتشر ہو جائے گا اِس لئے کسی اَور کو بھیجنا چاہئے آپ خود تشریف نہ لے جائیں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے حضرت سعدؓ کو جو شام میں رومیوں سے جنگ میں مصروف تھے لکھا کہ تم جتنا لشکر بھیج سکتے ہو بھیج دو کیونکہ اِس وقت مدینہ بالکل ننگا ہو چکا ہے اور اگر دشمن کو فوری طور پر نہ روکا گیا تو وہ مدینہ پر قابض ہو جائے گا۔[2] یہ خطرناک نقصان جو مسلمانوں کو پہنچا محض تیرنا نہ جاننے کا نتیجہ تھا۔

پس تیَرنا نہایت ضروری اور اہم چیز ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں عورتوں کو بھی تیرنا سکھانا چاہئے۔ قادیان میں ہم کبھی نہر پر جاتے تو اپنی عورتوں اور لڑکیوں کو بھی ساتھ لے جاتے اور اُنہیں تیرنا سکھاتے تھے۔ لوگ اعتراض کرتے تھے مگر میں نے تو اُسوقت اپنی عورتوں اور لڑکیوں کو تیرنا سکھا دیا تھا۔ اب بھی ربوہ میں تالاب بننے چاہئیں اور لڑکوں اور لڑکیوں کو تیرنا سکھانا چاہئے۔

تیرنا انسانی زندگی کا ایک ضروری حصہ ہے اگر جہاز میں انسان سوار ہو اور جہاز ڈوبنے لگے تو اسے تیرنے کا فن اتنا تو آنا چاہئے کہ وہ دس بیس منٹ یا دو چار گھنٹے پانی میں تیر سکے تا کہ اگر اُس کو کوئی مدد پہنچ سکتی ہو تو اِس عرصہ میں اسے پہنچ جائے۔ یہ تو نہ ہو کہ اِدھر پانی میں گرے اور اُدھر ڈوب جائے۔

میں تمام خدام سے کہتا ہوں کہ ان میں سے جو تیرنا جانتے ہوں وہ کھڑے ہو جائیں (اس پر ستّر فیصدی خدام کھڑے ہوئے حضور نے فرمایا) کوشش کرو کہ یہ ستّر فیصدی سَو فیصدی بن جائیں۔ گو اس تعداد کو دیکھ کر یہ پتہ نہیں لگتا کہ یہ ستر فیصدی کتنا تیرنا جانتے ہیں ممکن ہے پانچ پانچ ہاتھ تیر کے ہی یہ ستر فیصدی ختم ہو جائیں۔ تیرنے کی طاقت دوسری

طاقتوں سے مختلف ہوتی ہے۔ مثلاً میرے ہاتھ بچپن سے کمزور ہیں پاؤں مضبوط ہیں لیکن ہاتھ اتنے کمزور ہیں کہ میں چھوٹے سے چھوٹا ڈمبل بھی نہیں دبا سکتا لیکن فٹ بال کا میں کھلاڑی رہا ہوں لوگ عام طور پر ہاتھ باہر نکال کر تیرتے ہیں مگر میں نے صرف تیرنا سیکھا ہوا ہے جسے ہمارے ملک میں لوگوں نے نہایت ہی گندہ نام دیا ہوا ہے۔ بیس سال کے بعد میں ایک دفعہ نہر میں تیرا۔ ۳۰، ۴۰ لڑکے میرے ساتھ تھے مگر وہ قریباً سارے کے سارے رہ گئے اور میں سَوا دو میل تک تیرتا چلا گیا۔ صرف ایک لڑکا آخر تک میرے ساتھ رہا۔ غرض لمبے تیرنے کی بھی مشق کرنی چاہئے۔ میں تالاب اور نہر میں تو تیرتا ہوں مگر دریا میں تیرنے کا مجھے موقع نہیں ملا۔ تیرنے کے لئے ہمیشہ گروپ کی صورت میں جانا چاہئے اور پھر قاعدہ یہ ہے کہ دریا میں چونکہ چکر آجاتے ہیں اس لئے گروپ کے افراد ہمیشہ اپنے ساتھ ایک رسّی رکھتے ہیں جس کے ساتھ کچھ بوجھ بندھا ہوا ہوتا ہے اگر کوئی شخص چکر میں آجائے تو اُس کے ساتھی زور سے اُس کی طرف رسّی پھینکتے ہیں جس سے پتھر وغیرہ بندھا ہوا ہوتا ہے اور جس کی وجہ سے وہ دُور تک پہنچ جاتی ہے۔ جب اُس رسّی کو وہ شخص پکڑ لیتا ہے تو وہ اُسے کھینچ لیتے ہیں۔

ایک اَور بات جس کی طرف میں نے پہلے بھی کئی دفعہ توجہ دلائی ہے مگر اب تک توجہ نہیں کی گئی یہ ہے کہ ہر خادم کو کوئی نہ کوئی ہنر آنا چاہئے۔ پڑھنا لکھنا غیر طبعی چیز ہے اور ہنر ایک طبعی چیز ہے جو ہر جگہ کام آسکتی ہے۔ مثلاً معماری ہے، لوہاری ہے، نجاری ہے یا اِسی قسم کے اَور پیشے ہیں۔ پیشہ ور ہر جگہ اپنے گزارے کی صورت پیدا کر لیتا ہے اور لوگ اُسے قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ آپ کو اگر اچھی عربی آتی ہے اور آپ افغانستان چلے جائیں تو آپ کی کوئی قیمت نہیں لیکن اگر آپ لوہار کا یا نجار کا کام جانتے ہیں یا آپ درزی ہیں یا آپ جوتا بنانا جانتے ہیں تو آپ کی بڑی قیمت ہے۔ اسی طرح آپ کو اچھی انگریزی آتی ہے اور آپ آزاد علاقے میں چلے جائیں تو آپ کی کوئی قیمت نہیں لیکن اگر آپ لوہارا کام جانتے ہیں یا اچھے بڑھئی ہیں تو وہ آپ کو سر پر اُٹھالیں گے۔ یہی حال جرمنی اور فرانس کا ہے وہاں بھی محض علم کی کوئی قیمت نہیں لیکن اگر آپ کو کوئی پیشہ آتا ہے تو آپ کی

بڑی قیمت ہے۔ اسی طرح آپ وحشی قبائل میں چلے جائیں تو وہاں بھی پیشے کی بڑی قدر ہوتی ہے لیکن فلسفہ کسی کام نہیں آسکتا۔

میں نے کہا تھا کہ ایسی جماعتیں جن کو ہر وقت خطرات درپیش ہوں اُن کو اِس بات کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے کہ وہ مختلف قسم کے پیشے اور ہنر سیکھیں مگر مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ خدام نے اس طرف بھی توجہ نہیں کی۔ سب سے زیادہ ملزم اِس بارہ میں مرکزی عُہدیدار ہیں میں نے تو ایک صنعتی سکول بھی کھولا تھا اور چاہا تھا کہ جماعت کے نوجوان مختلف قسم کے پیشے اور ہنر سیکھ کر باعزت طور پر اپنی زندگی بسر کرنے کے قابل ہوسکیں مگر اس کی طرف بھی توجہ نہ کی گئی اور وہ مدرسہ بند کرنا پڑا۔ بہرحال جماعت کے نوجوانوں کو کسی نہ کسی پیشہ کے سیکھنے کی طرف توجہ ضرور کرنی چاہئے۔

اس کے بعد حضور نے فرمایا خدام میں سے جو درزی کا کام کرتے ہیں یا لوہار کا کام کرتے ہیں یا بڑھئی کا کام کرتے ہیں ان کو مستثنیٰ کرتے ہوئے جو دوسرے خدام ہیں ان میں سے جنہوں نے کوئی اور فن بھی سیکھا ہوُا ہو وہ کھڑے ہو جائیں۔

(اس پر بعض خدام کھڑے ہوئے اور حضور ان سے دریافت فرماتے رہے کہ وہ اِس وقت کیا کام کرتے ہیں اور انہوں نے موجودہ کام کے علاوہ کونسا ہنر سیکھا ہوُا ہے۔ اس کے بعد حضور نے پھر سلسلۂ تقریر کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا۔)

"مختلف قسم کے پیشے اور ہنر جاننا غیر ملکوں میں جانے کے لئے بڑی سہولت پیدا کرنے والی چیز ہے اور ان کے ذریعہ وہاں آسانی سے روزی کمائی جاسکتی ہے۔ اِس کے علاوہ ہماری جماعت کی ترقی میں بھی اِن پیشوں کا بہت حد تک دخل ہے۔ ایک علاقہ ایسا ہے جس میں لوہار کے کام، بڑھئی کے کام اور درزی کے کام جاننے والوں کی بہت ضرورت ہے اگر ہمارا سَو دوسَو آدمی وہاں پہنچ جائے تو وہاں کی جماعت بہت مضبوط اور قوی ہوسکتی ہے۔

میں اس سلسلہ میں یہ بھی بتانا چاہتا ہوں کہ طالب علم عموماً تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد نوکریاں کرنے لگ جاتے ہیں۔ ہمارے ملک میں کچھ عرصہ تک تو گریجوایٹوں کو جگہ مل جائے گی کیونکہ ہندو چلا گیا ہے اور اُس کی جگہ پُر کرنے کے لئے ابھی گریجوایٹوں کی کافی

ضرورت ہے لیکن کچھ عرصہ کے بعد یہ گنجائش بھی جاتی رہے گی بہر حال اِس وقت سب سے زیادہ گنجائش تعلیمی ڈگریاں رکھنے والوں کے لئے ہے۔ اگر پاکستان نے ترقی کرنا ہے تو لازماً تعلیم کے ساتھ ترقی کرنی ہے اس لئے بی اے بی ٹی کی ڈگریاں رکھنے والوں کی بہت زیادہ کھپت ہوسکتی ہے۔ بعض علاقوں میں ایسے لوگوں کی بہت زیادہ مانگ ہے اور وہاں تنخواہیں بھی اچھی ملتی ہیں۔ مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ پچھلے دنوں بار بار اعلان کرنے کے باوجود ہمیں باہر بھجوانے کے لئے صرف دو نوجوان ملے حالانکہ یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ طالب علموں پر اُستاد کا بھاری اثر ہوتا ہے اگر ہمارے تعلیم یافتہ نوجوان اچھے ذہین ہوں اور وہ دینی مسائل کو سمجھ کر بیرونی ممالک میں جائیں تو بہت بڑی کامیابی حاصل کر سکتے ہیں کیونکہ جو خوبیاں ایک سچے احمدی میں ہوسکتی ہیں وہ کسی دوسرے میں نہیں ہوسکتیں۔ پس ایک تو نوجوانوں کو تعلیمی ڈگریوں کی طرف توجہ کرنی چاہئے اور دوسرے انہیں کوئی نہ کوئی ہنر سیکھنا چاہئے تیسرے میں اِس امر کی طرف بھی توجہ دلائے بغیر نہیں رہ سکتا کہ عام طور پر ہماری جماعت کے دوستوں میں اور شاید باقی لوگوں میں بھی منہ کو صاف رکھنے کی عادت نہیں پائی جاتی اِس کا نتیجہ یہ ہے کہ جب وہ بات کرتے ہیں تو ان کے منہ سے اتنی شدید بُو آتی ہے کہ سر درد شروع ہو جاتا ہے۔ حالانکہ دانتوں کی صفائی سے معدہ اچھا رہتا ہے اور معدہ کی مضبوطی سے انسانی صحت اچھی رہتی ہے۔

پس میں خدام الاحمدیہ کو ہدایت کرتا ہوں کہ وہ مہینہ میں ایک دفعہ اِس کا امتحان لیا کریں۔ جس کا طریق یہ ہے کہ ایک دوسرے کے ناک کے پاس آکر اپنا سانس چھوڑو تا کہ دوسرا بتائے کہ تمہارے تنفّس سے بُو آتی ہے یا نہیں۔ گھریلو تعلقات پر اِس چیز کا بڑا اثر ہوتا ہے۔ قریب ترین تعلق میاں بیوی کا ہوتا ہے۔ اِس کے آپس میں کئی دفعہ جھگڑے ہوتے رہتے ہیں اور بالکل ممکن ہے کہ وہ اپنی ذات میں یہ سمجھتے ہوں کہ اِن جھگڑوں کی فلاں فلاں وجوہ ہیں لیکن درحقیقت اس کی وجہ یہ ہو کہ مرد کے لئے عورت کے منہ کی بُو ناقابلِ برداشت ہو۔ وہ اس بات کو ظاہر نہیں کرے گا لیکن آہستہ آہستہ اُس کے دل میں یہ خیالات پیدا ہونے شروع ہو جائیں گے کہ اگر میں اپنی بیوی کو چھوڑ دوں اور کسی اَور سے

شادی کرلوں تو اچھا ہے۔ پس یہ ایک نہایت ہی اہم چیز ہے مگر اِس کی طرف توجہ بہت کم کی جاتی ہے حالانکہ یہ زندگی کے اہم ترین امور میں سے ہے۔ صحت کا اس سے تعلق ہے، سوشل تعلقات پر اس کا اثر پڑتا ہے اور مذہب نے بھی اس کی اہمیت کی طرف توجہ دلائی ہے۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس پر اتنا زور دیا ہے کہ آپ فرماتے ہیں اگر کوئی شخص پیاز کھا کر مسجد میں آجاتا ہے یا لہسن کھا کر مسجد میں آجاتا ہے تو فرشتے اُس کے پاس نہیں آتے۔[۳] اب فرشتے تو ہر جگہ ہیں پاخانہ میں انسان جاتا ہے تو اُس وقت بھی فرشتے ساتھ ہوتے ہیں۔ لہسن کے کھیت میں بھی فرشتے ہوتے ہیں پیاز کے کھیت میں بھی فرشتے ہوتے ہیں، پھر اس حدیث کے معنی کیا ہوئے؟ درحقیقت اِس جگہ فرشتہ سے مراد آسمان کا فرشتہ نہیں وہ تو پاخانہ میں بھی جاتا ہے، لہسن کے کھیت میں بھی جاتا ہے، پیاز کے کھیت میں بھی جاتا ہے۔ اِس جگہ فرشتہ سے مراد شریفُ الطبع اور نازک مزاج انسان ہیں جن کے لئے بُو ناقابلِ برداشت ہوتی ہے اور جو اِس سے دُور بھاگتے ہیں اِس لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات پر زور دیا ہے کہ مجالس میں آؤ تو عطر وغیرہ لگا کر آؤ تا کہ لوگوں کے اجتماع کی وجہ سے بُو پیدا نہ ہو''۔

(الفضل یکم اگست ۱۹۶۲ء)

۱؎ تاریخ طبری جلد۴ صفحہ ۹۴ تا ۹۷ مطبع دارالفکر بیروت لبنان مطبوعہ ۲۰۰۲ء

۲؎ تاریخ طبری جلد۴ صفحہ ۱۱۱ تا ۱۱۲ مطبع دارالفکر بیروت لبنان مطبوعہ ۲۰۰۲ء

۳؎ **مسلم کتاب المساجد باب نھی من أکل ثوماً او بَصَلاً (الخ)**